کنز الایمان کا مطالعہ رموزِ اوقاف کے تناظر میں

پروفیسر دلاور خان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم اپنے زمانے میں ایک مدت مدید تک اس طرح زندگی بسر کرتے رہے کہ ہم میں سے ہر شخص قرآن حاصل کرنے سے پہلے ہی ایمان لے آتا تھا جوں ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ نازل ہوتی تو ہم سب ان سے سورۃ کے حلال و حرام کی تعلیم حاصل کرتے اور ان مقامات کو معلوم کرتے جہاں پر قرأت میں ٹھہرنا (وقف) سزاوار ہے جس طرح تم لوگ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہو اور بلا شبہ آج ہم بکثرت ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جن میں سے ایک کو ایمان لانے سے پہلے قرآن کی تلاوت کا موقع نصیب ہوتا ہے وہ فاتحۃ القرآن سے لے کر اس کے خاتمے تک سب پڑھ جاتا ہے مگر اسے اتنی بھی خبر نہیں کہ قرآن کا امر کیا ہے نہ وہ اس کے زجر سے آگاہ ہوتا ہے اور نہ اس بات کو معلوم کرتا ہے کہ قرآن پڑھتے وقت اس میں ٹھہراؤ (وقف) کے مقامات کون کون سے ہیں"

نحاس فرماتے ہیں "لہٰذا یہ حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوقاف کی تعلیم بھی اسی طرح حاصل کرتے تھے جس طرح قرآن کو سیکھتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ "ہم اپنے زمانے کی ایک مدت تک زندہ رہے" اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ امر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت شدہ اجماع ہے۔ یعنی اوقاف کی شناخت کے بابت جو کچھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر تمام صحابہ کرام کا باتفاق عمل درآمد تھا میں کہتا ہوں: اس قول کو بیہقی نے اپنے سنن میں بھی بیان کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خداوند کریم کے قول "ورتل القرآن ترتیلا" کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ترتیل حروف کے عمدہ طور پر ادا کرنے اور وقف (ٹھہراؤ) کے پہچاننے کا نام ہے" ابن الانباری کہتے ہیں: "قرآن کی پوری معرفت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وقف اور ابتداء کی شناخت حاصل ہو اور نکزاوی کا بیان ہے، وقف کا باب نہایت عظیم الشان اور قابل قدر ہے کیوں کہ کسی کو بھی قرآن کے معنوں اور اس سے احکام شرعی کی دلیلیں مستنبط کرنے کی شناخت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ فواصل (آیات) کو نہ پہچانے"۔۔۔ بہت سے پچھلے زمانے کے علماء نے اجازت قرأت دینے والوں پر یہ شرط لگا دی تھی کہ وہ جب تک کسی شخص وقف اور ابتداء کی شناخت میں بخوبی آزمانہ لیں اس وقت تک اسے سند قرآت قرآن عطانہ کریں (۱)

ابتداء میں قرآن مجید کے حروف پر نقطے نہیں لگائے جاتے تھے اور نہ حرکات، سکنات اور اعراب لگائے جاتے تھے اور نہ رموز اوقاف تھے اہل عرب اپنی مادری زبان ہونے کے سبب، نقطوں اور حرکات و سکنات کے بغیر قرآن مجید بالکل صحیح پڑھ لیا کرتے تھے۔ نہ انہیں کسی فقرے کو ملانے یا وقف کرنے کے لیے رموز اوقاف کی ضرورت تھی یہ تمام امور ان میں معروف و مشہور تھے اس لیے وہ ان تمام کو لکھنے سے مستغنی تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کرایا تھا وہ بھی ان تمام سے معری تھا، پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور عجمی لوگ مسلمان ہوتے گئے اور

عربی مادری زبان نہ ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت غلطیاں کرنے لگے تو پھر قرآن مجید کی کتابت میں ان تمام امور کا اہتمام و التزام ہونے لگا اس ضرورت کے پیش نظر سب سے پہلے قرآن مجید کے حروف پر نقطے لگائے گئے پھر حرکات، سکنات اور اعراب لگائے گئے پھر قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے قرآت اور تجوید کے قواعد مقرر کئے گئے اور عام لوگوں کی سہولت کے لیے علماء نے اہل عرب کے دستور کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کے دوران سانس رکنے، سانس لینے، سانس توڑنے اور وقف کرنے کے لئے علامات وضع کیں جنہیں رموز اوقاف کہا جاتا ہے ٹھہرنے کا نام وقف اور ملانے کا نام وصل ہے۔

وقف کی چند معروف اقسام کا مطالعہ کرتے ہیں:

وقف لازم:

اسے کہتے ہیں اگر اس جگہ وقف نہ کیا جائے اور ملا کر پڑھا جائے تو ایسا بھی لازم آئے گا جو اللہ کی مراد نہیں جیسے:

وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ o يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ۔(۲)

ترجمہ: اور وہ ایمان والے نہیں o فریب دیا چاہتے ہیں اللہ...

اگر اس جگہ "بِمُؤْمِنِيْنَ" پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو "يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ" کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ معنی ہو گا: وہ منافق ایسے مومن نہیں ہیں جو اللہ کو دھوکہ دیں، حالاں کہ مراد یہ ہے کہ وہ مطلقاً مومن نہیں ہیں۔

وقف مطلق:

اسے کہتے ہیں جسے ملائے بغیر ابتدا پڑھنا مستحسن ہے جیسے:

وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًاؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا۔(۳)

ترجمہ: اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں۔

پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا بیان ہے اور دوسرے جملے میں بندوں کے فعل کا بیان، اس لیے ان دونوں جملوں کو ملائے بغیر الگ الگ پڑھنا مستحسن ہے۔

وقف جائز:

وہ ہے جس میں ایک جملے کو دوسرے جملے سے ملا کر پڑھنا اور پہلے جملے پر وقف کر کے دوسرے کو ابتدا پڑھنا دونوں جائز ہو جیسے:

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔(۴)

ترجمہ: اور بیشک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

اگر "ھم بھا" پر وقف کیا جائے تو معنی اس طرح ہو گا: عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اور حضرت یوسف نے اس عورت سے اجتناب کا قصد کیا، اگر یوسف نے زنا کی برائی پر اپنے رب کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ اس برائی میں مبتلا ہو جاتے اور اگر "ھم بھا" کے بعد والے جملے سے ملا کر پڑھیں جائے تو معنی اس طرح ہو گا:

عزیز مصر کی عورت نے حضرت یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا، اگر حضرت یوسف نے اس فعل کی برائی پر اللہ کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ برے فعل کا قصد کر لیتے۔

المرخص بوجہ:

جس میں ایک وجہ سے وقف کرنا اور دوسری وجہ سے ملا کر پڑھنا جائز ہو جیسے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ۔(۵)

ترجمہ: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا

کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا۔

"فلا یخفف عنھم العذاب" پہلے جملے کے لئے یہ منزل سبب اور جزاء ہے اور اس کا تقاضا ملا کر پڑھنا اور لفظ "فاء" ابتداء کو چاہتا ہے، اس لئے پہلے جملے پر وقف کر کے "فلا یخفف" سے ابتداء پڑھنا بھی جائز ہے۔

المرخص ضرورہ:

جو لفظ یا جو جملہ پہلے لفظ یا جملے سے مستغنی نہ ہو اور اس میں اصل ملا کر پڑھنا، لیکن مسلسل پڑھنے کی وجہ سے انسان کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ملا کر پڑھنے کی بجائے ٹھہر جائے تو اس کی اجازت ہے جیسے:

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۔(۶)

ترجمہ: جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔

"انزل من السماء" میں "انزل" کی ضمیر "الذی" کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لیے یہ جملہ سے مستغنی نہیں ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہیے، لیکن اگر طول کلام کی وجہ سے پڑھنے والے کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ "السماء بناء" پر وقف کرے تو اس کی اجازت ہے، کیوں "السماء بناء" کو الگ پڑھنے سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آجاتا ہے۔ جس جگہ ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور وقف جائز نہیں، یہ کلام جو شرط اور جزاء پر مشتمل ہو، شرط اور جزاء کو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور شرط پر وقف کرنا جائز نہیں یا کلام مبتداء اور خبر پر مشتمل ہو تو مبتداء پر وقف کرنا صحیح نہیں، اسی طرح موصوف اور صفت کو ملا کر پڑھنا چاہیے اور موصوف پر وقف نہ کیا جائے، جیسے:

وَ مَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَo الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ۔(۷)

ترجمہ: اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیںo وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد۔

اس آیت میں "الذین ینقضون الفسقین" کی صفت ہے اس لیے ان کو ملا کر پڑھا جائے۔(۸)

رموز او قاف کی ضروت، اہمیت اور اقسام کے مطالعہ کے بعد کنزالایمان کا مطالعہ رموز او قاف کے تناظر میں کرتے ہیں:

قَالَ فَاِنَّھَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْھِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً یَتِیْھُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۔(۹)

ترجمہ: فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم اُن بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔

اگر قرآن پڑھنے والا "انھا محرمۃ علیھم اربعین سنۃ" پر وقف کرے گا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان پر (بنی اسرائیل پر) حرام کئے جانے کی مدت چالیس تھی اگر علیھم پر وقف کر دے گا تو اس کے معنی ہو جائیں گے کہ تحریم کی مدت ابدی اور دائمی تھی حالاں کہ "سنۃ" (صحرا میں سر گردانی) کا زمانہ چالیس سال ہی تھا۔(۱۰)

اس پس منظر میں مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

"فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالیس برس تک" آپ نے علیھم کی بجائے ترجمے میں سنۃ پر ہی وقف کیا ہے۔

(۲)۔ وقف مطلق:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ۔(۱۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے

منکر ہوا۔

پہلی آیت کے اختتام پر "وقف مطلق" ہے جسے "ط" کی علامت سے ظاہر کیا گیا ہے جس سے مراد ہے یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس یہاں وقف کرنا بہتر۔ترجمہ کرتے وقت اس اصول کو یاد رکھنا چاہیے یعنی پہلی آیت پر وقف کرنا چاہیے اور دوسری آیت سے وصل نہیں۔ اس تناظر اس آیت کا ترجمہ مطالعہ کرتے ہیں۔

"جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ: آدم کو سجدہ کرو، چناچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا، اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا"

آیت میں "ابلیس" کے اختتام پر علامت وقف ہے اس لئے یہاں وقف کرنا بہتر تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ دوسری آیت کے ترجمے کی ابتدا کو "کہ" سے وصل کر دیا گیا جو "وقف مطلق" سے انحراف محسوس ہوتا ہے۔

اس کے بعد "وقف مطلق" کے قاعدے کی روشنی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

"اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سوا ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا"

آپ نے پہلی آیت کے ترجمے کے اختتام پر "ابلیس کے" پر وقف کیا اور دوسری آیت کے ترجمے کو اسم موصولہ کے ذریعے متصل نہیں ۔پس معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خان نے مذکورہ آیت کے ترجمے میں "وقف مطلق" کی مکمل پاس داری کی ہے۔

(۳)۔وقف جائز:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔

(سورۃ البقرہ، آیت 2)

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

وقف جائزہ کے مطابق اگر آیت کے آخر "فیہ" پر وقف کیا جائے اور دوسری آیت سے وصل نہیں کیا جائے جب بھی درست ہوگا۔

اگر پہلی آیت کے "فیہ" پر وقف نہیں کیا جائے اور دوسری آیت سے وصل کیا جائے تو بھی "وقف جائز" کے مطابق درست ہوگا۔

اس تناظر میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

آپ نے "فیہ" کا ترجمہ "اس میں" کیا ہے اور اپنے ترجمے میں اسے اس خوب صورتی سے جڑا ہے کہ رموز اوقاف کا ماہر عش عش کہہ اٹھتا ہے ملاحظہ ہو:

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے متقین کے لئے۔

اگر ترجمے میں "اس میں" پر وقف کیا جائے تو ترجمہ اس طرح ہوگا:

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں۔ہدایت ہے متقین کے لئے۔

اگر "اس میں" پر وقف نہیں کیا جائے اور آیات میں وصل کیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا۔

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے متقین کے لئے۔

اس ترجمے میں نہ صرف "وقف جائز" کے دونوں تقاضے پورے ہوتے دکھائی دیتے ہیں، بلکہ ترجمہ بھی دونوں لحاظ سے بہ معنی اور سلاست کا مظہر ہے۔

(۴)۔وقف جائز کی ایک اور مثال:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَo عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِo الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ۔(۱۲)

"یہ لوگ آپس میں کس بات سے سوال کرتے ہیں۔

بڑی خبر سے سوال کرتے ہیں، جن میں یہ لوگ مختلف رائے ہیں۔"

"وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں"

"یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ مختلف چہ میگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟"

"کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں"

"یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں، جس میں کوئی کچھ کہہ رہا ہے، کوئی کچھ۔"

"یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ اس بڑے واقعہ کی بابت، جس کے بارے یہ لوگ جھگڑتے رہے ہیں"

"یہ (کافر) لوگ کس چیز کے بارے سوالات کر رہے ہیں؟ اس زبردست واقعے کے بارے میں جس میں خود ان کی باتیں ہیں"

اگر مذکورہ تراجم کا مطالعہ "وقف جائز" کے تناظر میں کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ مترجمین پہلی آیت کے اختتام پر وقف کیا ہے جیسے:

- یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟
- یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں؟
- کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟
- یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟
- وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔
- یہ لوگ آپس میں کس بات سے سوال کرتے ہیں۔

اس آیت کے اختتام پر "ج" کی علامت ہے جس سے ظاہر ہو رہا کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے اور وقف نہ بھی کیا جائے تو بھی جائز ہے اس لیے ان تراجم میں "وقف جائز" کے تحت آیت کے اختتام پر وقف کیا گیا ہے اور دوسری آیت سے وصل نہیں کیا گیا۔

یہ تراجم آیت ثانی (عن النبا العظیم) سے سادہ اسلوب خبریہ کے تحت ہیں جیسے:

- بڑی خبر سے سوال کرتے ہیں
- پوچھتے ہیں اس بڑی سے
- اس بڑے واقعہ کی بابت
- اس بڑی خبر کے بارے میں

جب کہ یہ تراجم استفہامیہ اسلوب کے تحت کیے گیے ہیں:

- کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں
- کیا اس بڑی خبر کے بارے میں

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"نبا" کسی بڑے واقعہ یا اہم خبر کو کہتے ہیں اس آیت میں اگرچہ حرف استفہام لفظاً مذکور نہیں، لیکن معناً یہ اسی استفہام کے تحت ہے جو پہلے آیا ہے۔ (۱۳)

مولانا امین اصلاحی کے مطابق آیت ثانی کا ایسا استفہامیہ ترجمہ ہو جو پہلی آیت کے استفہامیہ اسلوب کے تحت ہو۔ دوسرے الفاظ میں آیت ثانی میں لفظ استفہامیہ کا اضافہ کئے بغیر معناً ترجمہ استفہامیہ کیا جائے تو وہی ترجمہ اس آیت کی حکمت کے عین مطابق ہو گا۔ اس پس منظر میں دیگر مترجمین اس اسلوب کے حسن کو اپنے تراجم میں سمونے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں بعض نے استفہامیہ لفظ کے اضافے سے اس اسلوب کو اپنانے کی کوشش ضرور کی ہے جب کہ

آیت ثانی میں ایسا ترجمہ درکار ہے جس میں حرف استفہام استعمال نہیں ہو مگر پہلی آیت کے حرف استفہام کے تحت معناً استفہامیہ ہو۔

اس پس منظر کو مد نظر رکھ کر مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا مطالعہ کرتے ہیں:

"یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کررہے ہیں بڑی خبر کی "

یہ ترجمہ دیگر تراجم سے اس طرح منفرد ہے کہ دیگر تراجم میں "وقف جائز" کے تحت پہلی آیت کے اختتام پر وقف کیا گیا ہے اور دوسری آیت سے وصل نہیں کیا گیا یہ بھی درست ہے مگر مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے "وقف جائز" کے تحت پہلی آیت پر وقف نہیں کیا بلکہ دوسری آیت سے وصل کرکے ترجمہ کیا ہے جو "وقف جائز" کے تحت بھی درست ہے دیگر تراجم کے مقابلے میں اس میں "وقف جائز" کی پاس داری کے ساتھ ساتھ ایک ندرت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ آیت ثانی میں اگرچہ حرف استفہام لفظاً مذکور نہیں، لیکن یہ اسی استہفام کے تحت ہے جو پہلی آیت کے شروع میں آیا ہے جس میں قرآنی حکمت کی بھرپور عکاسی ہورہی ہے جو "وقف" کی بجائے "وصل" کی مرہون منت ہے۔

پس معلوم ہوا کہ:

(الف) ترجمہ " وقف جائز" کے تحت کیا گیا ہے۔

(ب) پہلی آیت پر وقف کرنے کی بجائے آیت ثانی سے وصل مان کر ترجمہ کیا گیا ہے۔

(ج) آیت ثانی کا ترجمہ معناً استہفامیہ اسلوب کے تحت کیا گیا ہے۔

(ر) آیت ثانی میں حرف استہفام کے اضافے کے بغیر ترجمے کو استہفامیہ اسلوب میں ڈھالا گیا ہے۔

(۵)۔ وقفِ تام:

وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔(۱۴)

- "حالاں کہ خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں مضبوط و پختہ کار ہیں اور کوئی ان کی تاویل (اصل معنی) کو نہیں جانتا۔ جو کہتے ہیں کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں یہ سب (آیتیں) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔"
- "حالاں کہ اس کی تاویل کا حکم صرف خدا کو ہے اور انہیں جو علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں۔ جن کا کہنا یہ ہے کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب کی سب محکم و متشابہ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے"

جب کہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

"اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے"

اس میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں وقف کہاں کیا جائے؟

ایک مؤقف یہ ہے کہ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ" میں اسم جلالت پر وقف کیا جائے اس کے بعد واؤ عاطفہ نہیں، بلکہ استینافیہ ہے تو اس کا مفہوم یہ ہو گا ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہیں گے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام ہمارے رب کی طرف سے ہے الغرض وہ اس کے معنی سے آگا نہیں ہوں گے۔

دوسرا مؤقف یہ ہے کہ یہ وقف اسم جلالت پر نہیں بلکہ واؤ عاطفہ ہے اور "راسخون" کا عطف اسم جلالت پر ہے تو اس کا مفہوم یہ ہو گا ان کی تاویل اللہ تعالیٰ اور علم میں پختہ

لوگ ہی جانتے ہیں۔

علمائے احناف کا مؤقف ہے کہ ''وما یعلم تاویلہ الا اللہ'' پر وقف ہے، (یعنی متشابہات کی تاویل و تفسیر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔(۱۵)

امام فخر الدین رازی ''وما یعلم تاویلہ الا اللہ'' کے تحت لکھتے ہیں:

و اختلف الناس فی ھذا لموضع فمنھم من قال تم الکلام ھھنا تم الواؤ فی قولہ (راسخون فی العلم) واؤ الابتداء و علی ھذا القول لایعلم المتشابہ الا اللہ و ھذا قول ابن عباس وعائشۃ و مالک بن انس الکسائی و الفراء، و من المعتزلۃ قول ابی علی جبائی و ھوا مختار عندنا و القول الثانی ان الکلام انما یتم عند قولہ (الرسخون فی العلم) وعلی ھذا القول یکون العلم بالمتشابہ حاصلاً عند اللہ تعالیٰ و عند الراسخین فی العلم۔(۱۶)

اس مقام پر لوگوں کو اختلاف ہے کچھ نے کہا یہاں کلام مکمل ہے اور واؤ (راسخون فی العلم) میں ابتدائی ہے، اس صورت میں معنی ہو گا متشابہ کو صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، مالک بن انس، کسائی، فراء اور معتزلہ میں سے ابو علی جبائی کا قول ہے اور ہمارا بھی یہی مختار ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کلام (راسخون فی العلم) پر تمام ہوتا ہے۔ اس قول کے مطابق متشابہ کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ علم میں رسوخ رکھنے والوں کو بھی ہو گا(ت)

۲۔ قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہاں اہل علم کا اختلاف ہے، کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے:

الواؤ للعطف و المعنی ان تاویل المتشابہ یعلمہ اللہ و یعلمہ الراسخون فی العلم۔۔۔ وھذا قول مجاھد الربیع و روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ کان یقول فی ھذہ الایۃ انا من راسخین فی العلم و عن مجاھد انا ممن یعلم تاویلہ وذھب الاکثرون الی ان الواؤللاستیناف و تم الکلام عند قولہ و ما یعلم تاویلہ الا اللہ۔(۱۷)

اگر واؤ عاطفہ ہو تو معنی ہو گا، متشابہ کا مفہوم اللہ جانتا ہے اور رسوخ فی العلم والے بھی اسے جانتے ہیں ۔۔۔ یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے اور حضرت ابن عباس سے اس آیت کے تحت منقول ہے ''میں رسوخ علمی رکھنے والوں میں ہوں'' حضرت مجاہد سے ہے میں تاویل متشابہ کا علم رکھنے والوں میں سے ہوں اکثریت کی رائے یہ ہے کہ واؤ استینافیہ ہے اور جملہ ''وما تاویلہ الا اللہ'' پر مکمل ہو جاتا ہے۔(ت)

امام عبد اللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۰ھ) رقم طراز ہیں:

الوقف وعند الجمھور علی قولہ الا اللہ و فسروا المتشابہ بما استأثر اللہ بعلمہ ۔۔۔ و منھم من لا یقف علیہ و یقول بان الراسخین فی العلم یعلمون المتشابہ۔(۱۸)

جمہور کے نزدیک ''الا اللہ'' پر وقف ہے اور ان کے ہاں متشابہ کا معنی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔۔۔ بعض اس پر وقف نہیں مانتے اور کہتے کہ رسوخ علمی والے بھی متشابہ کا علم رکھتے ہیں(ت)

امام ابو عبد اللہ محمد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فالذی علیہ الاکثرانہ مقطوع مما قبلہ و ان الکلام تم عند قولہ الا اللہ ھذا قول ابن عمر، ابن عباس، عائشۃ، عروہ بن زبیر، عمر بن عبد العزیز وغیرھم۔(۱۹)

اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ''راسخون فی العلم'' کا تعلق ما قبل سے نہیں جملہ ''الا اللہ'' مکمل ہو جاتا ہے یہ

حضرت ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ، ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل علم کا مؤقف ہے۔

علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس آیت کی نسبت دو خیال ہیں ایک یہ ہے کہ "والراسخون فی العلم" معطوف ہے اور "یقولون" اس کا حال واقع ہوا ہے اور دوسرا خیال یہ ہے کہ "والراسخون فی العلم" مبتدا ہے اور "یقولون" اس کی خبر اور "والرا سخون" میں جو واؤ ہے وہ استینافیہ ہے واؤ عاطفہ نہیں۔ پہلا قول معدودے چند علماء کا ہے جن میں سے ایک مجاہد بھی ہیں اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔۔۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد والے تبع تابعین اور دیگر علماء مفسرین خصوصاً اہل سنت میں سے بہ کثرت علماء دوسرے قول کی طرف گئے ہیں اور یہ دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔۔۔ قولہ تعالیٰ "الا اللہ" پر وقف تام ہے اور اسی سے یہ بات بھی مفہوم ہوتی کہ بعض متشابہ کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ت(۲۰)

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: معالم التنزیل میں ہے۔ ذھب الاکثرون الی ان الواوفی قولہ والراسخون واوالاستیناف وتم الکلام عند قولہ ومایعلم تاویلہ الا اللہ وھو قول ابی بن کعب وعائشۃ وعروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنھم و روایۃ طاؤس عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وبہ قال الحسن واکثر التابعین واختارہ الکسائی والفراء والاخفش الی ان قال ولما یصدق ذلک قرأۃ عبداللہ ان تاویلہ الا عنداللہ والرسخون فی العلم یقولون امنا وفی حرف ابی یقول الراسخون فی العلم بتاویل القرآن الی ان قالو امنابہ کل من عند ربنا وھذا القول اقیس فی العربیۃ واشبہ بظاھر الآیۃ۔

یعنی جمہور ائمہ دین وصحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ: والراسخون فی العلم۔ سے جدا بات شروع ہوئی۔ پہلا کلام وہیں پورا ہوگیا کہ متشابہات کے معنی اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہی قول حضرت سید قاریان صحابہ ابی بن کعب اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے، اور یہی امام طاؤس نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور یہی مذہب امام حسن بصری واکثر تابعین کا ہے اور اسی کو امام کسائی وفراء واخفش نے اختیار کیا اور اس مطلب کی تصدیق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قرأت سے بھی ہوتی ہے کہ آیات متشابہات کی تفسیر اللہ عزوجل کے سوا کسی کے پاس نہیں اور اپ کے علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کی تفسیر میں محکم علم والوں کا منتہائے علم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور یہ قول عربیت کی رو سے زیادہ دلنشیں اور بظاہر آیت سے بہت موافق ہے۔(۲۱)

پس معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے قول پر عمل کرتے ہوئے "الا اللہ" پر وقف مانا ہے۔

الغرض ان حقائق کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ایک مترجم کے لیے رموز او قاف کا جاننا نہایت ضروری ہے اگر وہ یہ علم نہیں جانتا تو ایسا ترجمہ کر بیٹھے گا جو منشاء الٰہی کے خلاف ہو گا۔ جب کہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو علم رموز او قاف پر مکمل عبور حاصل تھا اس لئے انہوں کنزالایمان میں اس علم کو بر موقعہ اور بر محل برتا۔

مصادر و مراجع

(۱)۔ الاتقان فی العلوم القرآن (ت)، از علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۳۲۳۔۳۲۳، جلد اول، مطبوعہ مشتاق بک کارنر، لاہور۔

(۲)۔ البقرۃ: ۹۔۸

(۳)۔ النور: ۵۵

(۴)۔ سورۃ یوسف: ۲۴

(۵)۔ البقرۃ: ۸۶

(۶)۔ البقرہ: ۲۲

(۷)۔ البقرۃ: ۲۷۔۲۶

(۸)۔ اصطلاحات تفسیر، از علامہ نصیر الدین، مشمولہ زبدۃ الاتقان فی العلوم القرآن (ت)، ص ۹۲، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور۔

(۹)۔ المائدۃ : ۲۶

(۱۰)۔ الاتقان فی علوم القرآن (ت)، از علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۲۴۱، جلد اول، مطبوعہ مشتاق بک کارنر، لاہور۔

(۱۱)۔ البقرۃ : ۳۴

(۱۲)۔ النباء: ۱۔۳

(۱۳)۔ قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ، از پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج ص ۷۵، بہ حوالہ تدبر قرآن۔

(۱۴)۔ آل عمران: ۷

(۱۵)۔ علم نبوی ﷺ اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری ص ۲۱، مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ لاہور

(۱۶)۔ علم نبوی ﷺ اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری، ص ۳۹، بہ حوالہ مفاتیح الغیب

(۱۷)۔ علم نبوی ﷺ اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری ، ص ۴۰، بہ حوالہ تفسیر مظہری

(۱۸)۔ علم نبوی ﷺ اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری ، ص ۴۱، بہ حوالہ تفسیر المدارک التنزیل

(۱۹)۔ علم نبوی ﷺ اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری، ص ۴۵ ، بحوالہ الجامع الاحکام القرآن

(۲۰)۔ الاتقان فی العلوم القرآن (ت)، از علامہ جلال الدین سیوطی ، ص ۳۶، ۳۳، مطبوعہ مشتاق بک کارنر، لاہور

(۲۱)۔ جامع الاحادیث، جلد نمبر ۸، ص ۳۱۶، از مولانا محمد حنیف خاں رضوی، شبیر برادرز، لاہور۔